© rasailojaraid.com

دیتے ہیں، مسلمان اسلام کی تنظیمی اور سیاسی دعوت کی صدا بھی بلند کرتے ہیں اور حکومت سے بھی مطالبے کرتے رہتے ہیں، مگر یہ کام اتنا زوردار نہیں کہ آبادی کی الگ الگ قسموں اور کئی علاقائی بادشاہتوں کو صحیح نصب العین کے گرد جمع کر دے۔ قابلِ مسرت بات یہ ہے کہ نوجوان طبقہ جو اعلیٰ تعلیم کے لیے مغربی ممالک میں پہنچتا ہے، اسلام کے روحانی و انقلابی جذبوں سے آراستہ ہے اور اسے دنیا کی اسلامی تحریکوں سے محبت ہے۔

۷ــ ایران انقلاب در انقلاب کے عمل سے گزر رہا ہے۔ بڑے انقلاب کے اندر خاصی اہم تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔ اُدھر ایرانی لیڈر غیر شیعہ مسلم اقوام کو محبت آمیز طریقوں سے قریب کرنے اور دعوت دینے کے بجائے ان کو خمینی کی لیڈری قبول کرنے کے لیے ڈرا اور دھمکا رہے ہیں۔ ایرانیوں کے تند و تیز پروپیگنڈے کے ساتھ ساتھ شو آف فورس کا جارحانہ انداز ایک طرف شیعہ اَمل ملیشیا کے ہاتھوں فلسطینیوں کی تباہی کا باعث بنا۔ دوسری طرف شام کی "اخوان" دشمن اور اہلِ سنت دشمن حکومت جو نہایت درجہ فاسد عقائد رکھنے والی جبر کیش حکومت ہے، اس سے ایرانِ جدید کی دوستی اتنی ہی حیران کن ہے جتنی شیعہ آبادی اور مقدس زیارات رکھنے والے عراق سے غیر مختتم جنگ حیران کن ہے۔ ایران نے اچھی بھلی اُبھرتی ہوئی اسلامی تحریکات کے نوجوانوں میں اوّل اوّل خلفشار پیدا کر دیا۔ بعد میں مسلمانانِ عالم اصل بات پا گئے۔ ایسی پالیسی کی وجہ سے ایران کے تعلقات اسلامی دنیا سے کمزور ہو گئے ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی سپر پاور اس کو نقصان پہنچانا چاہے تو ایران نے بچاؤ کا سامان عالمی اور بین الاسلامی رائے عامہ کے ذریعے نہیں کیا۔

۸ــ افغانستان میں روسی جارحیت بظاہر آخری دموں پر ہے اور افغانیوں کا نجات پانا صرف پلکوں کی سوئیوں کے نکلنے پر منحصر رہ گیا ہے، مگر THERE IS MANY A SLIP BETWEEN THE CUP AND THE LIP ۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنا کرم خاص فرمائے۔ امریکہ اور روس میں "یالٹا کانفرنس" کی طرح کی سانٹھ گانٹھ ہو گئی ہے۔ مگر مجاہدین بصیرت سے بھی کام لے رہے ہیں اور غیرت سے بھی! افغانستان میں اگر مجاہدین کامیاب ہو کر اسلام کا پرچم لہرا دیتے ہیں تو پھر اس کا مفید اثر پاکستان پر بھی پڑے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سپر پاورز کی نگاہوں میں آبادی کی یہ "خطرناک پٹی" کل خدائی نظامِ عدل و امن و اخوت کا سرچشمہ بھی بن سکتی ہے۔

۹۔ ہمارے پاکستان میں اگرچہ حالات قدرے بہتر ہیں، لیکن حکومت اور بیوروکریسی پر سپر پاورز کے ذریعے عیسائیت کا دباؤ رہتا ہے۔ یہاں بھی شفاخانوں کے علاوہ کثیر تعداد میں مشنری اسکول عیسائیت کی شفاف سی جھلی میں لپٹی ہوئی مغربی فکر اور مغربی تہذیب اور مغربی برتری کی تعلیم مسلمان شاہین زادوں کو دے کر انہیں خاکبازی سکھانے میں محو ہیں۔ آئندہ نسلوں کے پاس نہ اپنا مذہب رہے گا، نہ اپنی تہذیب، نہ اپنی زبان، اور یہی نسل سپر پاورز کی اشیرباد کے ساتھ حکمران اور کارپرداز ہوگی۔ بیچارے اسلام کو ان سے کس خیر کی امید ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ ہمارے ہاں (اور جس بھی ملک میں شراب ممنوع ہو) اقلیتی مذہبی آزادی کے نام پر شراب کے پرمٹ حاصل کرتے ہیں اور پھر اس شراب کو مسلمانوں میں پھیلا کر ان میں بداخلاقی کو بھی عام کرتے ہیں اور احکامِ مذہب کے احترام کا خاتمہ بھی۔

ہمارے یہ پیارے بھائی وقتاً فوقتاً اپنی تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ تاہم تبلیغی مساعی سے زیادہ تولیدی مساعی کام کرتی ہیں اور باہر سے درآمد بھی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح چند دوسری اقلیتیں بھی ہمارے اندر ایسی ہیں جن کی خاندانی منصوبہ بندی ایسی ہے کہ تعداد کو زیادہ سے زیادہ بڑھاؤ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی ایک سیاسی ہتھیار بھی ہے کہ جو مسلمانوں کے خلاف اور مسلمانوں کے معاندین کی تقویت کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ یہاں کی چند مجدعزائم اقلیتیں جب اسی نہج پر کام کریں گی۔ اور مسلمانوں کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کو اسلام کا چھٹا رکن بنا دیا جائے گا تو چند برس بعد یہاں کا تناسب آبادی خوفناک حد تک بدل جائے گا۔ خدانخواستہ ممکن یہ بھی ہے کہ پاکستان کے اندر سے ایک مخالف پاکستان قوت ابھر کر بالادست بن جائے۔ اِدھر ہمارے دانشورانِ معیشت آبادی کو صرف خوراک کے مسئلے کے تعلق سے سوچتے ہیں، بلکہ سوچتا بھی کون ہے ع

چشمِ نرگس مست و ساقی مست و ہم پیمانہ مست

کیا آپ اس صلیبی جنگ کی وسعتوں اور اس کے نتائج و اثرات کو سمجھ کر کوئی راہِ عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتے ہیں ۔ افسوس کہ غالب قوتوں کے جادو نے آپ کے سوچنے کے قوی کو اس طرح معطل کر دیا ہے کہ جیسے ہیروئن کے نشے سے ہوتا ہے ۔ آپ سوچیں گے بھی تو وہی کچھ جو اصل سوچنے والے سوچتے ہیں ۔ ہمارے دردمند شاعر نے کیا خوب کہا :

اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں ۔۔۔ زباں میری ہے بات اُن کی
اُنہی کی محفل سنوار رہا ہوں ۔۔۔ چراغ میرا ہے رات اُن کی

(باقی آئندہ)

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں ۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں ۔

(ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمتِ سیّد مودودیؒ

(۱)

پہلے یومِ استقلال پر قوم کے نام پیغام

یومِ دستور (یومِ استقلال) ہماری قومی تاریخ کا نہایت اہم دن ہے۔ اس دن سے ہم اپنی زندگی کی ابتدا ایک ایسی آزاد قوم کی حیثیت سے کر رہے ہیں جس نے آئینی طور پر خدا کی حاکمیت کا اقرار کیا، اور اقتدار کو اس کی طرف سے ایک مقدس امانت مان کر استعمالِ اقتدار کے لیے اس کے مقرر کردہ حدود کی پابندی قبول کی ہے۔ آج دنیا کی تمام قوموں کے درمیان ہم وہ تنہا قوم ہیں جس نے اپنے دستورِ مملکت کے سرنامے پر یہ اعلان ثبت کیا ہے کہ ہم جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اُس تصور پر عمل کریں گے جو اسلام نے ہم کو دیا ہے۔ اس لحاظ سے آج کا دن ہمارے لیے صرف ایک مبارک دور کا آغاز ہی نہیں ہے بلکہ ایک سخت آزمائش کے دور کی ابتدا بھی ہے۔ ہم نے خدا اور خلق، دونوں کے سامنے اپنے آپ کو امتحان کی کسوٹی پر رکھ دیا ہے۔ اب دُنیا بھی یہ دیکھے گی اور دُنیا کا مالک بھی یہ دیکھے گا کہ ہم اپنے اس قول میں کہاں تک صادق اور مخلص ہیں۔

میں اس یومِ جمہوریہ پر اپنی قوم کو مبارک باد بھی دیتا ہوں کہ اور اس کے ساتھ ساری قوم سے اور اس کے ہر عنصر اور ہر گروہ سے یہ اپیل بھی کرتا ہوں کہ وہ تمام چھوٹے چھوٹے مفادات، تعصبات اور اختلافات کو نظر انداز کر کے اپنی توجہات اس ملک میں ایک مثالی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی نظام قائم کرنے پر مرکوز نہ کر دے۔ ہم سب کی دنیا اور آخرت کا انحصار اس پر ہے کہ ہم اپنے اخلاق اور کردار کو درست کریں، اپنے فرض کو پہچانیں اور نیک نیتی کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کریں جس کو ہم اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق حق جانتے ہوں۔ ہمارے حکام کو، ہماری سیاسی پارٹیوں اور ان کے لیڈروں کو، ہمارے علماء کو، ہمارے تاجروں اور صنعتکاروں کو، ہمارے زمینداروں اور سرمایہ داروں کو، ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں اور عوام کو اور ہمارے مردوں اور عورتوں سب کو اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ ان کا مستقبل پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور پاکستان کا مستقبل اہلِ پاکستان کی سیرت و کردار کے ساتھ وابستہ۔ اگر ہم خدا ترسی دیانت، انصاف، فرض شناسی، منظم محنت و جفاکشی اور اسلام کے اصولوں کی مخلصانہ پیروی اختیار کریں تو ہماری یہ مملکت تھوڑی ہی مدت میں دنیا کی امامت و رہنمائی کے مقام پر پہنچ سکتی ہے۔ (ایشیا۔ لاہور۔ ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء)

---

(۲)

قراردادِ مقاصد کے معنی

(پاس شدہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء)

قراردادِ مقاصد

اس قرارداد میں کیا تھا؟ اس کی توضیح کے لیے میں اس کے وہ حصے لفظ بہ لفظ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو ہماری اس بحث سے متعلق ہیں:-

"چونکہ تمام کائنات کی بادشاہی صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے اور چونکہ وہ اقتدار ایک مقدس امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باشندگانِ پاکستان کے ذریعے سے ریاستِ پاکستان کو اس لیے سونپا ہے کہ وہ اس اقتدار کو اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کے اندر استعمال کرے۔ لہٰذا یہ دستور ساز اسمبلی باشندگانِ پاکستان کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے آزاد و خودمختار ریاست پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے ایک ایسا دستور بنانے کا فیصلہ کرتی ہے۔

الف :- جس میں ریاست اپنے اقتدار و اختیارات کو باشندوں کے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے گی۔

ب :- جس میں پوری جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر اسلام کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

ج :- جس میں مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کی ان تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق منظم کر سکیں جو قرآن و سنت میں بیان ہوئی ہیں۔

قرارداد کی تشریح

اس قرارداد میں جن باتوں کا اقرار کیا گیا ہے وہ یہ ہیں :-

۱ — "بادشاہی کے جملہ اختیارات صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہیں" یعنی پاکستان میں حاکمیت باشندگانِ ملک کی نہیں، بلکہ خداوندِ عالم کی ہے۔

۲ — "پاکستان کی حکومت کو جو اقتدار ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تفویض کردہ ہے اور اس کی طرف سے ایک مقدس امانت ہے"۔ یہ بعینہٖ وہی مفہوم ہے جس کے لیے قرآن میں "خلافت" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

۳ — اقتدار کی یہ مقدس امانت حکومتِ پاکستان کو اس لیے سونپی گئی ہے کہ وہ اسے حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرے"۔ دوسرے الفاظ میں اگر حکومت خدا کی مقرر کی ہوئی حدود سے باہر قدم نکالے تو وہ خیانت کی مرتکب ہے۔ امانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حدود اللہ کی پابند ہو کر رہے۔

۴ — اقتدار کی یہ امانت حکامِ پاکستان کو براہِ راست نہیں سونپ دی گئی۔ بلکہ باشندوں کے توسط سے سونپی گئی ہے اور باشندے ہی اس کے مجاز ہیں کہ اس امانت کو اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے سپرد کریں۔

۵ — یہ نمائندے حکومت کا سارا انتظام جمہوریت کی اس تشریح کے مطابق چلائیں گے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اسلام نے پیش کی ہے"۔ دوسرے لفظوں میں یہاں جمہوریت کا نظام نہیں، بلکہ خلافتِ راشدہ کا نظام اختیار کیا جائے گا۔

۶- پاکستان کے ملکی قانون کی بنیادیں، آزادی، مساوات اور اجتماعی عدل کے اصولوں کی اس تشریح پر رکھی جائیں گی جو اسلام نے پیش کی ہے نہ کہ اس تشریح پر جو انگلستان، امریکہ یا روس میں اختیار کی گئی ہے۔

۷- "حکومتِ پاکستان مسلمانوں کو اس قابل بنانے کی ذمہ دار ہوگی کہ وہ زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں کتاب و سنّت کے تقاضوں کو پورا کرسکیں"۔ یعنی یہ حکومت وہی فرائض سرانجام دے گی جو ایک اسلامی حکومت کے فرائض ہیں۔ وہ محض تماشائی نہ ہوگی۔ وہ محض سابق انگریزی حکومت کی طرح روادار نہ ہوگی۔ وہ مسلمانوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑ دے گی کہ جس طرح چاہیں اپنی صوابدید کے مطابق کام کرتے رہیں۔ بلکہ ایجابی طور پر اس کا یہ فریضہ ہوگا کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرے۔

انہی باتوں کو دیکھ کر مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ اسلامی حکومت کے قیام کا جو مطالبہ وہ کر رہے تھے اُسے مان لیا گیا ہے اور یہ مسلمانوں نے خود ہی نہیں سمجھ لیا۔ بلکہ ہمارے لیڈروں نے بھی اپنی تقریروں اور بیانوں میں ہم کو اس بات کا یقین دلایا کہ اس قرارداد میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور غیر مسلموں کو بھی یہ اطمینان دلایا گیا کہ اس قرارداد پر جو اسلامی ریاست قائم ہوگی اس میں ان کے حقوق بالکل محفوظ ہوں گے۔ اس طرح یہ بات پبلک اور لیڈروں کے درمیان متفق علیہ ہوگئی کہ اب یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔

(دستوری سفارشات پر تنقید - ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِسلام میں اختلاف کے آداب

قرونِ خیر کے بعد اختلاف (۲)

ترجمہ وتلخیص جناب عبد الحی ابڑو صاحب - اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد

تقلید اور اس کے نتائج اجتہاد کے متعلق جو نئی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی اس کا مختصر سا تذکرہ ہم پچھلے مباحث میں کر چکے ہیں۔ یہی وہ صورتِ حال تھی جس کے پیش نظر سکھائے اُمت کو خطرہ ہوا کہ اس دروازے سے کہیں ایسے لوگ بھی اس میدان میں داخل نہ ہو جائیں جو اس کی اہلیت سے بہرہ ور نہ ہوں۔ کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ فتوٰی کا کام اب ایسے لوگ بھی انجام دینے لگے تھے جو نہ صرف یہ کہ امراء وسلاطین کے پروردہ تھے، بلکہ نفسانی خواہشات کے زیر اثر نصوص واحکام کی گردنیں مروڑنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف علماء میں بھی دو طرح کے طبقے پیدا ہو گئے تھے۔ ایک طبقہ نے شدت اور سختی کی راہ اختیار کر لی تھی۔ اور دوسرے طبقہ نے رخصت وتخفیف کی راہیں نکال لی تھیں۔ یہ وہ عوامل تھے جنہوں نے اُمت کے بہی خواہوں کو ان خطرات کا احساس دلایا جو اسلام اور مسلمانوں کے انجام کے بارے میں واضح طور پر اُبھر کر سامنے آچکے تھے۔ حالات کا بغور جائزہ لینے اور خطرات کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ اُمت کو تقلید کا پابند بنا کر اس پر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ مگر یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ ایک خرابی سے بچنے اور بحران سے نکلنے کے لیے اُمت کو تقلید کے قعرِ مذلت میں دھکیلنا ہی بہترین علاج تصور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا۔

فقہاء کی باہمی لایعنی مناظرہ بازیوں، مباحثوں، ایک دوسرے کی مسلسل مخالفت اور ٹکراؤ کی صورتوں سے چھٹکارے کا انہیں یہی راستہ نظر آیا کہ اختلافی مسائل میں لوگوں کو متقدمین کے اقوال و آراء کی طرف رجوع کا پابند بنایا جائے۔ اسی طرح سلاطین کے تقرب، طلبِ دنیا میں انہماک اور اپنے فیصلوں میں راہ راست سے انحراف کی وجہ سے قاضیوں پر سے بھی لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا تھا، لہٰذا جب تک ان کا فیصلہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے قول کے مطابق نہ ہوتا، اسے قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جاتا تھا۔

خدا کے خوف سے عاری شرعی علوم کے وہ حاملین جو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے اجتہاد کو ایک ذریعہ سمجھتے تھے اس سے بچنے کی خاطر عام مسلمانوں کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید، ان کے اقوال کی پابندی اور ان کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں مسائل کا استنباط ہی واحد محفوظ طریقہ رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ امام الحرمین (متوفی ۴۷۸ھ) کے نزدیک محققین کا مشہور صحابہ کرام کی تقلید سے ممانعت پر اجماع ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب ان ائمہ کے مسالک کی اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جنہوں نے تحقیق و جستجو اور غور و فکر سے کام لے کر ابواب قائم کیے، مسائل کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے متقدمین کے اقوال و آراء کو پرکھنے کے بعد انہیں اپنے لیے مشعلِ راہ بنا کر تمام قواعد و ضوابط مرتب کیے۔ اس سے امام الحرمین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عام آدمی ائمہ مجتہدین کے مکاتب فکر کی اتباع کا پابند ہے[1]۔

امام الحرمین کے اس قول اور اجماع کے متعلق ان کے دعوے پر انحصار کرتے ہوئے مشہور محدث و فقیہ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان ائمہ اربعہ کے مسالک منضبط اور مدوّن شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کے تمام اُصول و شرائط بھی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ جب کہ یہ بات صحابہ و تابعین کے مسالک میں نہیں پائی جاتی۔ بعد میں آنے والے علماء و مصنفین ان کی یہ بات

---

[1] البرہان (۲/۱۱۲۶، فقرہ ۱۱۷۳) اور التقریر والتحبیر (۳/۳۵۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب تک نقل کرتے آ رہے ہیں [1]

یہیں سے کتاب وسنّت کے علوم وفنون سے لوگوں کی غفلت و بے اعتنائی کا آغاز ہوا۔ اب لوگ صرف اقوال ومسالک کو بیان کرنے، ان کے اُصول وضوابط مرتب کرنے، ان کا دفاع کرنے، ان سے مزید جزئیات نکالنے اور استنباط کرنے پر اکتفا کرنے لگے۔

زوال وانحطاط کا یہ عمل جاری رہا۔ اختلافات میں شدت آتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ تقلیدِ خالص پر صدیاں گزر گئیں۔ اس سے فکری تحریک رُک گئی۔ اجتہاد کا چشمہ خشک ہو گیا۔ فتنوں اور جہالت کا دور دورہ ہو گیا۔ لوگوں کی نظر میں فقیہہ اور عالم وہ قرار پایا جس نے فقہائے سابقین کے اقوال وآراء کو قوی اور ضعیف کی تمیز کیے بغیر حفظ کر رکھا ہو۔ اور محدث وہ ٹھہرا جسے چند صحیح اور ضعیف احادیث یاد ہوں۔

معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ حالات اس سے کہیں بڑھ کر روبہ انحطاط ہونے لگے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلم معاشرے سے آفتابِ علم ہی غروب ہو گیا تھا۔ سوچ وفکر کی صلاحیتیں بے نتیجہ ہو کر رہ گئی تھیں، بدعتوں کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ اور انحراف و بے راہ روی کے وسائل نے خوب رواج پالیا تھا۔ خرافات کی مختلف شکلیں مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں جس نے دشمن حملہ آوروں کے لیے اس بات کی راہ ہموار کی کہ وہ اسلامی علاقہ جات اور شہروں پر قبضہ جما کر اسلامی تہذیب وتمدن کا ہی صفایا کر دیں۔

ماضیِ قریب کے مسلمانوں کا طرزِ فکر وعمل

فکری جمود وتقلید کی گود میں محوِ آرام مسلمان ماضی کے سنہرے خوابوں کا جال ہی بُنتے رہے اور دینی اور سیاسی قیادت کی راہیں الگ ہو جانے کی وجہ سے وہ حیران وپریشان مختلف راہوں پر بھٹکتے رہے۔ جب کہ اہلِ علم ان سے غافل ہو کر اپنی دنیا میں مگن ہو گئے اور اپنے تئیں یہ سمجھتے رہے کہ انھی کی رائے ہی سب سے بہتر اور درست ہے۔ جو شخص بھی اس اُمت کے روشن ورثے سے واقفیت رکھتا ہو، اس کے لیے یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جمود وتعطل کے شکار یہ پس ماندگان انھی اسلاف کے وارث

[1] التقریر والتحبیر (۳/۳۵۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو متحرک اور روشن و تابندہ زندگی کے مالک تھے۔

اقوامِ یورپ نے جب خوابیدگی کا لبادہ اُتار دیا اور ترقی کی راہ میں نئی کروٹ لی اور استعماری پالیسی اپنائی تو مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر انہوں نے سمجھ لیا کہ جس قوم سے ان کا مقابلہ ہے اس کی حقیقی بنیادیں اب متزلزل ہو چکی ہیں۔ اعتقاد و ایمان کی چنگاری بجھ رہی ہے۔ یقین و اذعان کی پُرانی کیفیت باقی نہیں رہی۔ اخلاق و کردار میں کجی راہ پا چکی ہے۔ استقامت و پامردی معدوم ہے، فکر و اجتہاد اور تفقہ و بصیرت کا فقدان ہے، بدعات کا دور دورہ ہے، سنت سے لوگ غافل ہیں اور شعور و بیداری کا کہیں دُور دُور تک کوئی نام و نشان نہیں۔ گویا یہ اُمت وہ اُمت ہی نہیں رہی جس کی شان و شوکت سے وہ اب تک مرعوب چلے آرہے تھے۔ تو انھوں نے یہ موقع غنیمت جانا، اور مسلم ممالک پر قبضہ جما کر زمامِ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور اس اُمت کے تشخص کی بنیادوں میں سے جو تھوڑا بہت باقی بچ گیا تھا اُسے بھی نیست و نابود کر ڈالا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ذلت و خواری کی جو کیفیت بنی وہ ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے اُوپر حکومتوں کی باگ دوڑ ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں ہے، وہی ہمارے مقدر کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں اور ہم اپنے ہی ہاتھوں سے پیدا کردہ مشکلات و مسائل کا حل ان کے پاس ڈھونڈتے ہیں۔

اس عرصے میں بچے کھچے شعور کی بدولت مسلمانوں میں اپنے زوال سے نجات پانے اور لغزش سے بچنے کی چند کوششیں ضرور ہوئیں لیکن ان کی ہر کوشش سخت ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اس لیے کہ انھوں نے کامیابی کی مطلوبہ شرائط پوری نہیں کیں۔ یہ کوششیں چونکہ غیروں کی تقلید اور فاتح اقوام کی اندھی پیروی ہی کے نتیجہ میں وجود میں آئی تھیں۔ اس لیے حالات سازگار ہونے کے بجائے مزید ابتر ہوگئے۔ البتہ یہ بات خوش آئند ہے کہ اب مسلمانوں کی نئی نسل اس مرض کے لیے مرہم شافی اور صحیح حل کی تلاش کے لیے کوشاں ہے۔ چنانچہ فرزندانِ اُمت کے چند معتدبہ گروہوں کو اس بات کا شعور آگیا ہے کہ "ان اٰخر ھٰذہ الامۃ لن یصلح الا بما صلح بہ اوّلھا" (اس اُمت کے پچھلے افراد کی اصلاح بھی اسی سرچشمہ ہدایت ہی سے ممکن ہے کہ جس سے اس کے اوّلین افراد کو ہدایت نصیب ہوئی تھی)۔ اس لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے اگلوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسلام کے چشمہ شیریں سے سیراب ہونا شروع کیا ہے۔ الحمدللہ اس بیداری کا آغاز ہو چکا ہے جسے اسلامی بیداری (یا اسلام کی نشأۃ ثانیہ) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

دشمنانِ دین مختلف مذاہب و افکار رکھنے کے باوجود اس دعوتِ مبارکہ کے لیے میدان کیونکر خالی چھوڑ سکتے تھے۔ ہمارے ساتھ جنگ کے لیے ان کے پاس اسلحہ کی بے شمار قسمیں ہیں۔ ہمارے کچھ بھائی بند بھی ان کا ایک ہتھیار ہیں، جو ان دشمنوں کے ہاتھوں آلۂ تخریب بننے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اس بات کا ثبوت وہ بہت سے ادارے ہیں جن کا کام صرف اور صرف دیندار طبقوں کے خلاف سازشوں کے جال بچھانا ہے، وہ اسلامی نشأۃ ثانیہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کرتے اور اسے خطرناک چیلنجوں سے دوچار کرتے ہیں۔ دوسرے چیلنج اور رکاوٹیں ہی داعیانِ حق کی کوششوں کی بربادی کے لیے کافی تھیں کہ پھر اس بیداری کو "اختلاف" کے ہولناک چیلنج کا سامنا کرنا پڑا جس کی چٹان سے ٹکرا کر ان کی ساری کوششیں پاش پاش ہو گئیں۔ چنانچہ ہمیں نظر آتا ہے کہ مسلم نوجوان مختلف جماعتوں اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو سلفی کہتا ہے تو کوئی اپنے آپ کو اہل حدیث۔ کچھ اپنے آپ کو مذہبیت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کچھ مذاہب و مکاتبِ فکر سے الگ تھلگ رہنے کے دعویدار ہیں۔ پھر ایک دوسرے پر کفر و فسق، بدعت و انحراف، جاسوس اور کسی کا ایجنٹ وغیرہ ہونے کے ایسے الزامات عاید کرتے رہتے ہیں جو کسی مسلمان کو اپنے دوسرے بھائی پر ہرگز چسپاں نہیں کرنے چاہییں۔ چہ جائیکہ ان کی تشہیر کے لیے ہر ممکن وسائل کو بروئے کار لایا جائے اور اس طرح جان بوجھ کر یا لاعلمی میں کسی کو اس کی پروا نہیں رہی کہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے دوسرے حلقوں کی طرف سے جو کوششیں ہو رہی ہیں، ان کا مقابلہ کرنے کے لیے معمولی اختلافات کہیں زیادہ خطرناک نہ ثابت ہوں۔

ائمہ مجتہدین کے اختلاف کا جواز موجود تھا۔ مناسب اسباب کی وجہ سے ان کا اختلاف چند آداب و قواعد کا بھی پابند تھا، لیکن معاصرین کے اختلاف میں کوئی ایک بھی معقول وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں جو آن حضرات کے ہاں پائی جاتی تھی - کیونکہ یہ اجتہاد کی صلاحیت سے بے بہرہ اور نرے مقلد ہیں - ان میں وہ بھی شامل ہیں جو تقلید سے برأت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ ہم تقلید کیے بغیر کتاب و سنت سے براہ راست احکام اخذ کرتے ہیں - حالانکہ ان کا انحصار حدیث کی چند کتابوں پر ہوتا ہے - اور حدیث کی سند اور متن کے بارے میں وہ ان کتابوں کے مؤلفین کی پوری پوری تقلید کرتے ہیں - اور ان کتابوں میں استنباط کردہ مسائل اور فقہاء کے نقل کردہ اقوال میں ان کی پیروی کرتے ہیں - ان میں سے بہت سے حضرات اپنے آپ کو رجال حدیث، مراتب جرح و تعدیل اور تاریخ رجال کا عالم سمجھتے ہیں جب کہ اس بارے میں ان کا مبلغ علم یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر اس کے کسی ماہر کی زیادہ سے زیادہ ایک کتاب کا مطالعہ کیا ہوتا ہے - جس کی بنیاد پر وہ اپنے لیے منبر اجتہاد پر فائز ہونے کو جائز سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے اونچا سمجھ بیٹھتے ہیں - حالانکہ جس شخص کے پاس تھوڑا سا علم بھی ہو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو جاہلوں کی روش سے دور رکھے، لوگوں پر الزام تراشی اور القاب بانٹنے سے باز رہے - اُمت کے عقائد کو درپیش چیلنجوں کی خطرناکی کو محسوس کر کے ان کا دفاع کرے - اور لوگوں کے اندر اتحاد و اتفاق کی روح بیدار کرنے کے لیے تگ و دو کرے - اور نہیں تو کم از کم آداب تقلید کا ہی خیال کرتے ہوئے وہ تمام لوگ جو تقلید کرتے ہیں اور مختلف ائمہ کے اقوال پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں - اور ایسا کون ہے جو آج کسی نہ کسی صورت میں کسی کا مقلد نہ ہو (اگرچہ کچھ لوگوں کا دعویٰ کچھ اور ہے) انہیں کم از کم ان اصول و آداب کی پابندی کرنی چاہیے جن کے گوشۂ عافیت میں ائمہ کرام نے اپنی زندگیاں بسر کیں -

دینی درد رکھنے والے مسلمانوں کو اس بیداری سے یہ اُمید ہو چلی تھی کہ کفر و الحاد کے حامل نظریات اور باطل عقائد نے جو خلیج اُمتِ مُسلمہ کے وجود میں پیدا کر دی ہے اور جس نے اُمت کے ایک بڑے گروہ کے دلوں اور سوچ و فکر کی صلاحیتوں کو غلط راہ پر ڈال رکھا ہے - اسے پاٹنے کی کوئی راہ ضرور نکل آئے گی - آثار ایسے نظر آرہے تھے کہ قلوب ضلالت و گمراہی سے نجات پا کر صحیح اسلامی عقائد سے روشن و پُر نُور ہو جائیں گے - جس کے بعد اس وسیع دنیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو خدائی پیغام سے روشناس کرایا جا سکے گا اور زمین کے گوشے گوشے میں کلمۂ حق سربلند ہو گا۔ لیکن یہ دیکھ کر دل تڑپ اٹھتا ہے کہ بعض مسلمان ہی اس بیداری کے بال و پر نوچ رہے ہیں اور اسے بے لگام اختلاف کی بیڑیاں پہنا رہے ہیں۔ چند ایک ایسے مسائل کو چھوڑ کر جو بجا طور پر سبب اختلاف بن سکتے ہیں زیادہ تر مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش بہت ہی محدود ہے۔ لیکن پھر بھی بہت سے مسلمان اس میں الجھے ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے اپنی طاقت و قوت کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ اس اختلاف نے ان کی آنکھوں پر تعصب کی وہ پٹی باندھ دی ہے جس سے ان میں معمولی اور اہم، اور چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ جس قوم کا یہ حال ہو چکا ہو اس سے یہ امید کیوں کر کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مسائل میں ترجیحات کا تعین کرتے ہوئے ان کے حل کی کوششوں کو مربوط و منظم کر سکے گی تاکہ اسلامی نشاۃ ثانیہ کے آغاز کو مضبوط بنیادیں فراہم ہو سکیں۔

مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف کو بھڑکانا، انہیں ہوا دینا یا ان کے اسباب مہیا کرنا اسلامی اہداف کے ساتھ بہت بڑی خیانت، موجودہ اسلامی بیداری کی راہ میں بڑی رکاوٹ اور داعیانِ حق کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے مترادف ہے، جسے اللہ تعالیٰ کبھی پسند نہیں کرتا۔ اس لیے ایمان کے بعد عام مسلمانوں کا عموماً اور داعیوں کا خصوصاً سب سے بڑا اہم فریضہ یہ ہے کہ تمام اسلامی گروہوں اور دعوتِ اسلامی کا کام سرانجام دینے والے افراد کو متحد کرنے کا کام سرانجام دیں اور ان کے باہمی اختلافات کو ختم کرائیں۔ اگر کہیں اختلاف ناگزیر ہو تو بھی اس کا دائرہ بہت محدود رکھنے کی کوشش کریں اور سلف صالحین کے آداب کا ہر طرح خیال رکھیں۔ نیت اگر سچی ہو تو اختلاف رائے کے باوجود اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے دل باہم مل سکتے ہیں، خدا کی مکمل تائید و نصرت اور توفیق بھی تبھی حاصل ہو سکے گی۔

© rasailojaraid.com